انجمن واقع ہوتے تھے۔ ان کی زندگی جفاکشی اور مجاہدہ کی زندگی تھی۔

آدابِ شریعت کی وہ نگہداشت نہ کرتے تو اور کون کرتا وہ "امیر شریعت" تھے۔ حضرت شاہ صاحب اپنی ذات سے نیک اور خیر پسند تھے اللہ تعالیٰ شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہ کی قبر کو ٹھنڈک اور روشن رکھے۔ (برّد اللہ مضجعہٗ۔ نور اللہ مرقدہٗ) (ماہنامہ "فاران" نومبر ۱۹۶۱ء)

نئی مطبوعات

مرزائیت کے قلعہ کو مسمار کرنے کیلئے عظیم ہتھیار

- عقیدۂ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں
  مولانا محمد اسحٰق صدیقی
- اسلام اور مرزائیت — مولانا محمد عبداللہ
- قادیانیوں کے دجل و فریب کے شکار مسلمانوں کو دعوتِ حق
  مولانا محمد عبداللہ

ان کا مطالعہ تحریکِ ختم نبوت کے ہر کارکن کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

چلبلی یادیں

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۹ء کی بات ہے۔ میں اندرون موچی دروازے کی طرف جا رہا تھا تو بیرون موچی دروازے نے قدم روک لئے باغ میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہو رہی تھی۔ اب آگے کون جانے بڑھاپے کے باعث گھن گرج قدرے دھیمی پڑ گئی ہے مگر خطابت کی لطافت کا جادو وہی تھا۔ ہم وہاں جا کر کھڑے ہوئے دو گھنٹے انہیں قدموں پر وہیں کھڑے رہے۔ جلسے میں بیس ہزار سے کم سامعین نہ تھے اور اتنے ہی لوگ گھروں کی منڈیروں سے بوڑھے شیر کی دھاڑیں سن رہے تھے۔ شاہ جی کی ساکھ کبھی ختم نہ ہوگی

(ضمیر جعفری کی ۱۹۴۹ء کی ذاتی ڈائری سے)

نصراللہ خان

وہ مرتے دم تک احرار میں شامل رہے

عالم باعمل، درویش خدامست، بے باک، نڈر۔ ادائیں قلندرانہ، جلال سکندرانہ، بارعب چہرہ، رنگ سپید سُرخی مائل، آنکھوں میں جلال، چہرے پہ جمال، لانبا قد، دوہرا بدن، سر پر پٹے، گھنی داڑھی، بالوں پر مہندی لگاتے تھے۔ ان کی آواز میں بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج تھی۔ لمبا سیاہ کُرتا، پاؤں میں چپل ——— یہ تھے سید عطاء اللہ شاہ بخاری، جن کے بارے میں مولانا ظفر علی خان نے یہ شعر کہا تھا:

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بُلبُل چہک رہا ہے ریاضِ رسُول میں

آدھی عمر جیل میں گزار دی۔ فرنگی حکومت ان کے نام سے کانپ جاتی۔ جس شہر میں جاتے نوبت پہ چوٹ پڑتی۔ اور نقارچی یہ اعلان کرتا کہ آج فلاں مسجد یا فلاں باغ میں امیرِ شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کریں گے تو لوگ جوق در جوق جلسہ گاہ میں اس طرح پہنچتے، جیسے عید کی نماز پڑھنے جا رہے ہیں۔ کیا بچے، کیا جوان، کیا بوڑھے اور کیا عورتیں تا حدِ نظر مخلوقِ خدا نظر آتی۔ شاہ جی نمازِ عشاء کے بعد اپنی تقریر شروع کرتے۔ لاؤڈ سپیکر اور مائکروفون کا رواج نہیں تھا۔ اس زمانے میں مقرّروں کے گلے میں لاؤڈ سپیکر ہوتا تھا۔ ان کی آواز ایک محلے سے دوسرے محلے میں پہنچتی تھی اور شاہ جی کی آواز تو میلوں پہنچتی۔ شاہ جی نجانے کیا سحر کرتے کہ جب وہ بولتے تو لوگوں کو سانپ سونگھ جاتا۔ کسی کو پہلو بدلنے کا موقع نہ ملتا۔ لب بند ہو جاتے۔ ہنسانے پہ آتے تو مجمع کشتِ زعفران بن جاتا اور رُلانے پہ آتے تو خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلاتے۔ گریبان آنسوؤں سے بھیگ جاتے اور جب صبح کی اذان ہوتی تو لوگوں کو معلوم ہوتا کہ وقت کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔

شاہ جی نے اگرچہ ساری زندگی پنجاب میں گذاری تھی۔ لیکن جب وہ تقریر کرتے تو ان کی زبان سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کہاں کے ہیں۔ البتہ جب وہ تقریر کرتے کرتے وہ پنجابی بولنے لگتے تو یہ معلوم ہوتا کہ وہ پنجابی ہیں۔ تلاوت

اس طرح کرتے کہ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے یوں لگتا کہ جیسے خود قرآن بول رہا ہے۔ جب مثنوی مولوی ترنم سے پڑھتے تو لوگوں کو وجد آجاتا۔ بات یہ ہے کہ ان کی ہر بات ان کے دل کی گہرائی سے نکلتی تھی۔ تقریر کے دوران کبھی کبھی لطیفے بھی سناتے شاہ جی کا ہاتھ مجمع کی نبض پر رہتا۔ جب وہ یہ دیکھتے کہ بات ذرالمبی ہو رہی ہے تو وہ ہنسانے لگتے اور پھر اپنی بات پہ آجاتے۔ فنِ خطابت تو شاہ جی پر ختم ہو گیا۔ ان کا حافظہ ایسا تھا کہ اردو، فارسی اور عربی کے ہزاروں اشعار انہیں یاد تھے وہ اپنی تقریروں میں سیاست کے ایسے نکتے اور ایسے پہلو نکالتے کہ لوگ حیران رہ جاتے۔

اس زمانہ میں بھی سیاست والوں نے بہت کھایا کمایا تھا۔ لیکن شاہ جی کی یہ حالت تھی کہ کپڑوں کا ایک جوڑا دھوتے تو دوسرا پہنتے، وہ اپنے سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ سردی کے موسم میں میں نے انہیں اپنی گدڑی سیتے دیکھا ہے وہ بڑے دیانت دار تھے وہ جو کہتے کر دکھاتے ان لوگوں کے پاس نہ پستول تھا اور نہ بندوق تھی ان کے ہتھیار ان کی سچائی تھی۔ ان کا کردار تھا اور ان کی پر تاثیر زبان تھی وہ اپنی تقریروں سے توپوں کے منہ کیل دیتے۔ ساری زندگی جیل میں کاٹی مسجد شہید گنج کے انہدام سے شاہ جی اور مولانا ظفر علی خان میں اَن بن ہو گئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر حملے کرتے لیکن ایک دوسرے کا احترام بھی کرتے۔ شاہ جی کے بارے میں جہاں مولانا ظفر علی خان نے یہ کہا تھا کہ؛

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں !

تو جب شہید گنج کا مسئلہ کھڑا ہوا اور مولانا احراریوں کے خلاف ہو گئے تو مولانا نے شاہ جی کے بارے میں یہ بھی فرمایا:۔

اک طفل بری رو کی شریعت نگلی نے !
کل رات نکالا مرے تقویٰ کا دوالا

ایک مرتبہ میرے گھر کے سامنے شاہ جی تقریر کرنے کی غرض سے آئے۔ جلسے کے منتظمین نے مجھ سے کہا کہ شاہ جی تقریر کرنے سے پہلے تمہارے یہاں آکر بیٹھیں گے۔ میں نے کہا کہ شاید اس بات پر مولانا ظفر علی خان صاحب مجھ سے خفا ہو جائیں، لوگوں نے یہ بات شاہ جی کو بتائی تو وہ ہنس کر خاموش ہو گئے لیکن جب اس بات کا علم مولانا ظفر علی خان کو ہوا۔ تو وہ بہت خفا ہوئے اور کہا کہ شاہ جی تمہارے لیئے قابلِ احترام ہیں۔ ویسے میں بھی ان کا احترام کرتا ہوں۔ اب تم جاؤ اور شاہ جی سے معافی مانگو اور جب میں شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے معافی مانگنے لگا تو میری آنکھوں